Scan: http://www.new.dli.ernet.in/
PDF: http://www.KetabFarsi.com

تذکرہ

حضرت بلھے شاہ

جسمیں پنجاب کے مشہور و معروف درویش اور شاعر کے
سوانح اور تعلقات مرید و شیخ سے بحث کی گئی ہو

مترجمہ

ضیاء الدین احمد برنی بی اے

انجمن اخوان تاجران کتب دہلی نے ۱۳۳۸ ہجری میں اپنی فرمائش سے

محبوب المطابع برقی پریس دہلی میں ... چھپا

اردو کی بہترین کتابیں

مندرجہ ذیل کتب جو ادبِ ہند کے بہترین نمونوں کا نچوڑ ہیں ہم سے طلب کیجئے

علم المعیشت
زمانۂ حال کے تمدن و ترقی کے پیچیدہ مسائل حالات و اسباب اُس وقت تک سمجھ میں نہیں آسکتے جب تک علم پولیٹکل اکانومی (ریاست مدن) کا مطالعہ نہ کیا جائے۔ اس کتاب میں اس مشکل مسئلہ کو نہایت خوبی اور سلاست سے بیان کیا گیا ہے۔ قیمت مجلد للعہ

تاریخ تمدن
تمدن کی تاریخ سے لیکر انتہائی مسئلہ تک بحث کی گئی ہے۔ یہ کتاب واقعات پر غور کرنا اور صحیح نتائج اخذ کرنا سکھاتی ہے۔ قابل مصنف نے انسانی تمدن کے متعلق ایک عجیب غریب اصول قائم کئے ہیں اور تاریخی واقعات کے انبار لگا دئے ہیں۔ حصہ اول غیر مجلد عہ حصہ دوم غیر مجلد عہ دو حصہ مجلد ۱۲

اُمرائے ہنود
شاہان مغلیہ کے عہد کے قریباً پانسو ہندو نامور امرائے کے حالات درج ہیں۔ اور انگریز مورخین نے جو غلط الزام مسلمان بادشاہوں پر لگائے ہیں ان کی قطعی تردید کی گئی ہے اور ہندو مسلمانوں کے برادرانہ تعلقات نہایت ہی گہرے اور خوشگوار دکھائے گئے ہیں۔ غیر مجلد سے رکاغذ معمولی عہ

تاریخ اخلاق یورپ
اٹھارہویں صدی عیسوی اور اس سے ماقبل کی معاشرتی زندگی۔ مذہب اور اخلاق کی معلومات کا حیرت انگیز ذخیرہ ہے اور انگریزی کی نہایت ہی عالمانہ کتاب کا ترجمہ ہے۔ حصہ اول سے حصہ دوم سے

کلیات اکبر الہ آبادی لسان العصر حضرت سید اکبر حسین صاحب جج سابق سشن جج

انتساب

اس ناچیز ترجمے کو بمبئی کے مشہور نامور صوفی منش
بزرگ جناب بدرالدین عبداللہ قور صاحب کے نام نامی و
اسم گرامی سے نسبت دیجاتی ہے۔

گر قبول افتد زہے عز و شرف

ضیاء الدین احمد برنی

دیباچہ از مترجم

حضرت بلھے شاہ جی کا مختصر تذکرہ ذیل کے صفحات پر پیش کیا جا رہا ہے۔ پنجاب کے ایک مشہور صوفی منش بزرگ ہیں۔ انکے حالات زندگی بہت کم معلوم ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ مسٹر سی۔ ایف اینڈریوز [illegible] انکے کلام پر پورا تفصیل سے خاص نظر ثانی کی ہے۔ جو ہر لحاظ سے غور سے پڑھے جانے کے قابل ہے۔

بلھے شاہ جی کی کافیاں زیادہ تر "ہمہ اوست" کے رنگ میں رنگی ہوئی ہیں۔ ممکن ہے کہ کچھ احباب اس عقیدہ کی سچائی کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیں۔ لیکن کم سے کم وہ اس امر سے تو انکار نہیں کر سکتے کہ جو لوگ بے ہوش اور غیر متعصبانہ زندگی بسر کیا جاتے ہیں۔ جو دنیا کے ظاہری اختلافات کو مٹا کر بنی نوع انسان کو [illegible] اپنا [illegible] ہیں۔ [illegible] وہ کسی [illegible] کے خواہشمند ہیں۔ ان کے لئے اس عقیدہ سے بہتر [illegible]

حضرت [illegible] صوف اس [illegible] پر کاربند رہتے تھے:

[illegible] [illegible]

[illegible] [illegible]

حضرت بلھے شاہ جی کے [illegible] واقعات عام [illegible] [illegible] تعصب [illegible] ہندوؤں اور مسلمانوں کو ان سے یکساں [illegible] کا فرق نہ رکھتے تھے۔ بظاہر انکا مشن کبیر اور بابا گورو نانک کی طرح ہندوؤں اور مسلمانوں کو [illegible] ایک کرنا تھا۔ اور اس ملک میں جہاں سب سے زیادہ ان دونوں قوموں کی بستی ہے اور جہاں ابھی دونوں کے درمیان [illegible] اتحاد پیدا نہیں ہوا ہے۔ ہندوستان کے مستقبل کو شاندار بنانے کیلئے ضرورت ہے کہ حضرت بلھے شاہ جیسے بزرگوں کے حالات کی اشاعت اور خیالات کا پرچار دونوں قوموں کے لئے مفید نتائج پیدا کئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ [illegible] امید ہے کہ [illegible] آپ [illegible] کا مطالعہ کرینگے۔

ضیاء الدین احمد برنی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تذکرہ حضرت آسی شاہ صاحب

"میرا ہوا کیسے چیز کا شخصی وجود [illegible] نماز [illegible]
[illegible]
[illegible] تو [illegible]
پا [illegible] سے نفرت [illegible]
میں ہی مضمر ہے جس ادنیٰ کی خبر ہے۔"

"میں وہ نشان ہوں جس پر تیر نہیں لگے۔ [illegible] جو نشانہ پر لگ گیا ہو
ہیں وہ سب ہوں جس کا [illegible]
جاتے [illegible]
اور جسم و روح کی [illegible]"

"آپ تو سوال کی غرض [illegible] سے کیا چاہتے ہیں؟ [illegible] میں
[illegible]
ڈھونڈتے [illegible] کوشش کریں اب [illegible] آپ [illegible] جستجو کریں تو
[illegible]"

پنجاب کے ایک مشہور شاعر کے کلام کی "سوئن برن[ف۱]" کے کلام سے ابتدا کرنا شاید عجیب معلوم ہو لیکن چونکہ یہ بات ہم سے بار بار کہی گئی ہے کہ "مشرق مشرق ہے اور مغرب مغرب اور یہ دونو آپس میں کبھی نہیں ملینگے"۔ اس لیے بعض اوقات کپلنگ[ف۲] کے خلاف آواز بلند کرنا اچھا معلوم ہوتا ہے۔ اور ساتھ ہی یہ دکھانا کہ کس اعلیٰ درجہ تک سوئن برن کے خیالات جو نظم ہرتھا میں ظاہر کئے گئے ہیں، بلھے شاہ کے خیالات سے جو پنجاب کے ایک زبردست صوفی شاعر ہیں، ملتے جلتے ہیں۔

بلھے شاہ فرماتے ہیں کہ "خدائے تعالیٰ نے مجھے اپنا جمال دکھایا ہے۔" "وہ غیر محدود ہے۔ وہ نہ تو کسی سے پیدا ہوا ہے اور نہ کبھی پیدا ہوگا۔" "ازل میں وہی موجود تھا اور اس وقت کوئی بھی اس کا دیکھنے والا نہ تھا۔ اس وقت یہ سوال ہی قایم نہ ہوا تھا کہ اس کی ہستی کیا ہے یا یہ کہ اس کا نام کیا ہے؟"

بے چوں و بیچگونہ سی   بے شبہہ و بے نمونہ سی
ناں کوئی رنگ نمونہ سی   ہن گوناگوں ہزار

ترجمہ:۔ اس وقت وہ بے مثل اور اکیلا تھا۔ کوئی شے اس کی مانند نہ تھی۔ ور وہ تن تنہا تھا لیکن اب وہ ہزارہا جلووں میں دکھائی دے رہا ہے۔"

آپے آہو آپے چھپتہ   آپے ماریں دھپا

ف۱ چارلس سوئن برن لندن میں ۱۸۳۷ء میں پیدا ہوا۔ بچپن ہی سے اسے شعر کہنے کا شوق تھا۔ شیکسپیئر کے بعد انگریزی میں اس سے بڑھ کر شاعر پیدا نہیں ہوا۔ اسے سمندر کے نظارے سے بے انتہا دلچسپی تھی۔ ۱۹۰۹ء میں نمونیہ کے مرض میں اس کا انتقال ہوا۔ جزیرہ وائٹ میں سمندر کے قریب وہ مدفون ہے۔ وفات کے بعد بحیثیت شاعر کے اس کی شہرت کا دائرہ بہت وسیع ہو گیا ہے۔

ف۲ رڈیارڈ کپلنگ موجودہ انگریزی شعراء میں سب سے زیادہ مشہور ہے۔ مقام پیدائش ہندوستان ہے [illegible] میں معزز عہدے پر ممتاز تھے۔ یہ اقتباس کہ "مشرق مشرق ہے اور مغرب مغرب ہے" انہی کے نظم سے لیا گیا ہے۔ مترجم

آپے صاحب آپے بردا آپے مول وِکایا
کہوں ہاتھی تے اسوار ہویا کہوں ٹھوٹھا ڈانگ بھنوایا

ترجمہ:۔ "کہیں وہ خود ہرن بنا ہے اور کہیں چیتا اور کہیں صیاد بن کر خود ہی اس کو مارنے آیا ہے۔ کبھی وہ آقا بنتا ہے اور کبھی غلام اور پھر خود ہی فروخت ہو جاتا ہے۔ وہ آپ ہی ہاتھی بنتا ہے اور پھر خود ہی اس پر سوار ہو جاتا ہے۔ کہیں وہ لاٹھی کی شکل اختیار کرتا ہے اور کہیں آپ ہی اُسے گھماتا ہے:

"کہیں وہ چور ہے اور کہیں شاہ جی (ساہوکار)" وہی ہندو ہے وہی مسلمان۔ وہی سکھ ہے۔ وہی کہیں مسجد ہے اور کہیں کنشت۔ خود ہی مقبرہ ہے اور خود ہی قبر میں سوتا ہے۔ ہر جگہ وہ اپنی محبت کا اظہار کر رہا ہے۔"

"ہم خدائے تعالیٰ کی جستجو کرتے ہیں۔ لیکن مطلوب خود ہمارے دل میں موجود ہے۔ بلکہ خاص ہمارے پہلو میں ہے۔ ...... میں شہر محبت میں بھٹکتا پھرتا ہوں۔ میں خود اپنی حقیقت معلوم کرنی چاہتا ہوں۔ لیکن مجھے کچھ بھی ہوش نہیں۔ سب چیزیں خدائی طرح میں جذب ہو گئی ہیں۔ اس بھید کو کوئی نہیں سمجھ سکتا۔ جب میں اپنی خودی کو بھول گیا۔ اس وقت سچائی کی روشنی ظاہر ہوئی۔ حقیقت کا راز معلوم ہوتے ہی مجھے شانتی حاصل ہو گئی۔ میرے معشوق کی ذات ہر جگہ جلوہ گر ہے۔ اور اس کے ماسوا کچھ نہیں۔ ...... اس معمے کو بہت کم لوگ سمجھتے ہیں۔ اب تمام جھگڑے اور فساد رفع ہو گئے ہیں۔"

بلھے شاہ کے ذاتی حالات بہت کم معلوم ہیں۔ وہ ضلع لاہور میں بمقام پنڈوک میں جو ایک معمولی قصبہ ہے ۱۶۸۰ء میں پیدا ہوئے تھے اور ۱۷۵۳ء میں انتقال فرما گئے۔ ان کے والد ماجد کا نام محمد درویش تھا۔ اس سے پتا لگتا ہے کہ وہ درویشوں کے خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ بہر حال "ملتان گزیٹیر" میں مذکور ہے کہ آپ چند مذہبی نظموں کے "رچنا کافیاں" کہلاتی [illegible] نہیں۔ خود ان کی نظموں کے علاوہ کوئی اور تحریر ایسی نہیں جو ہمیں بتا سکے کہ

وہ کس قسم کے آدمی تھے۔ ہم یہ نہیں جانتے کہ آیا وہ ایسے خاندان سے تعلق رکھتے تھے جس کے افراد پہلے ہی سے صوفی منش تھے۔ یا یہ کہ ان کے پیر و مرشد حضرت **عنایت شاہ** صاحب قادری کی بدولت انہیں یہ دولت تصوف نصیب ہوئی۔ معلوم ایسا ہوتا ہے کہ وہ جس نفس کشی اور ایثار کا وعظ کہتے تھے، خود بھی اس پر عمل پیرا تھے۔ اس لئے کہ انہوں نے شادی نہیں کی۔ اس بارے میں انکی ہمشیرہ نے بھی انکی تقلید کی۔

حضرت شاعر کا زہد و اتقا اور ان کے کلام کی دلکش سادگی ہی وہ ایسی چیزیں ہیں جنہوں نے انکے کلام کو پنجاب کے صوفی منش اصحاب میں مقبول بنا دیا ہے۔ لیکن چونکہ انکی نظمیں پنجابی زبان میں لکھی ہوئی ہیں۔ اس لئے انکی شہرت کا دائرہ صرف پنجاب تک محدود ہے۔ یا پنجاب کے ان لوگوں تک جو ان مقامی محاوروں کے مطابق لکھی ہوئی کتابوں کو پڑھنے سے نہیں ہچکچاتے۔

خصوصاً قافیوں کی ترتیب اور ان کی بندش وزن کی طرح بالکل سادہ ہے۔ اور گو مختلف ردیفیں کثرت سے پائی جاتی ہیں۔ لیکن اشعار عموماً مروجہ گیتوں کی صورت میں ہیں۔ اور ہر بند کی ردیفیں اور قافیے سوئن برن کی نظم "لیفور ڈاون" "Before Dawn." کے سے ہیں۔ اگر قافیہ اور ردیف کو مختلف حروف سے تعبیر کیا جائے تو کافی کے ہر بند کی شکل اس طرح سے قائم ہوتی ہے:۔

(۱) الف - الف - الف - ب

سلہ ۵ یہ بزرگ ذات کے ارائیں تھے۔ انہوں نے قصور کی بود و باش اس جگہ کے نواب گورنر حسین خان نامی کی دشمنی کے باعث چھوڑ دی تھی۔ اور بعد ازاں لاہور میں آ رہے تھے۔ جہاں انکا مزار اب قائم ہے۔ بلھے شاہ ایک نظم میں اپنے پیر و مرشد کی ذات کی طرف اشارہ کر کے فرماتے ہیں "اے بلھے شاہ اگر تمھیں باغات اور بہشت درکار ہیں تو مالی بن جاؤ۔ معشوق حقیقی کی ذات [illegible]"

(۴) ب - ب - ب - ج

(۵) ج - ج - ج - د وغیرہ وغیرہ[۵]

ان میں خیالات کی پیچیدگی بہت کم ہے۔ اور ان کی بعض نظموں میں موجودہ اسلامی تصانیف کے برخلاف سنسکرت کے الفاظ کی بھرتی زیادہ ہے جس کی وجہ غالباً یہ معلوم ہوتی ہے کہ سترہویں صدی کی پنجابی میں آجکل کی مروجہ پنجابی کی نسبت عربی و فارسی کے الفاظ کم مستعمل تھے۔ یہ بھی اغلب ہے کہ وہ سادہو درشنی ناتھ جی کی دوستی کی وجہ سے ہندوانہ فلسفہ (ویدانت) کی اصطلاحات سے واقف ہوگئے ہوں۔

یہ کہنا تقریباً غلط ہے جیسا کہ "ملتان گزیٹیر" میں مندرج ہے کہ "نظمیں (کافیاں) ملتان کی پنجابی زبان میں لکھی ہوئی ہیں"۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ انمیں بعض الفاظ ایسے ہیں جو یہاں کے پنجابی الفاظ سے مشتق ہیں لیکن راولپنڈی سے دہلی اور دہلی سے ملتان تک کے ہر دیہاتی کی سمجھ میں بخوبی آسکتے ہیں۔

بلھے شاہ کی فیاض طبیعت جس نے ذات اور برادری کی تمام قیود کو مٹا دیا تھا۔ بالاخر ان کی زندگی ہی میں انھیں پابند مذہب نہ ہونے کا الزام دلوانے میں کامیاب ہوگئی لیکن ان کی زندگی کی پاک روش نے تمام معترضین کے منہ بند کردئے اور اسوقت سے انہوں نے اتنی درویشانہ شہرت حاصل کی ہے کہ اب وہ "حضرت" کے معزز لقب سے یاد کئے جاتے ہیں۔ اور یہ وہ لقب ہے جسے مسلمان صرف اولیاء اور انبیاء کے لئے استعمال کیا کرتے ہیں۔

---

[۵] مثلاً

آساں پڑھیا علم تحقیقی ہے   اوتھے اکو حرف حقیقی ہے
پر جھگڑے سب ودھیکی ہے   ایویں رولا پایا بھندے

ترجمہ:- میں نے علم تحقیقی حاصل کیا ہے یہاں صرف ایک ہی سچا حرف ہے یعنی الف جو خدائے تعالیٰ کو ظاہر کرتا ہے باقی تمام جھگڑے فضول ہیں اور یہ حرف تو یونہی جھگڑے مول لیا کرتے ہیں۔ مترجم

مذہبی فلسفہ کی مناسبت کو مد نظر رکھ کر بتانا بہت ہی مشکل امر ہے کہ تصوف کی حقیقت کیا ہے۔ یہ کچھ کچھ "ہمہ اوست" سے جس کی تشریح سوئن برن نے اپنی نظم "ہرتھا" (Hertha) میں نہایت بلاغت کے ساتھ کی ہے، ملتا جلتا ہے۔ اس میں مابعد الطبیعیات محبت کے اظہار خیالات سے رنگ آمیزی کی جاتی ہے جس کی مثال مغربی دنیا کو "امثال" میں مل سکتی ہے۔ مجملاً صوفیوں کا عقیدہ ہے کہ ہر ایک چیز ذات باری تعالیٰ کا مظہر ہے۔ اور یہ کہ انسان کا روحانی مقصد خدا تعالیٰ کی روح سے واصل ہو جانا ہے۔ روحانی نجات اور ابدی خوشی حاصل کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ صوفی کسی پیر سے بیعت کرے جس طرح حضرت بلھے شاہ نے حضرت عنایت شاہ صاحب قادری سے بیعت کی۔

مرید کے لئے ضروری ہے کہ اپنے پیر و مرشد کی ہدایت کے موافق وہ خدا کے راستہ کی تمام منازل طے کرے۔ وہ جلدی ہی ارتقائی سے اس محبت کو جو صوفیانہ شاعری کی زبان سے محسوس کرنے لگتا ہے۔ تمام دنیاوی لذات اور خواہشات ترک کر دی جاتی ہیں اور نفسانی خود غرضی اور مطالعہ و ذکر کے ذریعہ خدائی جلوہ کا مشاہدہ کرنے لگتا ہے۔ پھر روحانی اور جسمانی ریاضتوں کے بعد مرید جذب اور بیخودی کے عالم میں پہنچ کر اپنے حواس ظاہری کھو بیٹھتا ہے۔ اور روحانی طور پر اپنی روح کو خدائے تعالیٰ کی روح میں جذب کر لیتا ہے اور ابد تک واصل رہتا ہے۔

اس میں کچھ شک نہیں کہ بلھے شاہ کے کلام میں تصوف کی منطقیانہ تشریح نہیں پائی جاتی۔ انہوں نے فرض کر لیا ہے کہ سب ناظرین ان طریقوں سے پہلے ہی کے اصولوں سے واقف ہیں جن کی تشریح وہ اپنے کلام میں بیان کرتے ہیں۔ ان کے کلام میں صرف تصوف کے ان پہلوؤں کا ذکر ہے جن کو وہ اپنے خیال میں بہت ضروری سمجھتے تھے ان کے کلام کی ایک خصوصیت جسے مغربی دنیا تعجب کی نظر سے دیکھے گی یہ ہے کہ

مرشد حضرت عنایت شاہ صاحب قادری سے مبالغہ آمیز اور تقریباً دیوانہ وار محبت کا اظہار ہے کہتے ہیں کہ ایک دن بلھے شاہ نے اپنے پیر کی خدمت میں عرض کیا کہ میں چاہتا ہوں کہ حج کے لئے مکہ جاؤں اور ساتھ ہی مکہ معظمہ کی زیارت کروں۔ شیخ نے تامل کیا۔ اور اپنے مرید سے کسی اور وقت (ایک قول کے مطابق تیسرے دن) نجات کا سیدھا اور سچا راستہ دکھانے کا وعدہ کیا۔ اسی شب کو بلھے شاہ نے خواب میں رسول اکرمؐ کا چہرہ مبارک دیکھا۔ اور ساتھ ہی اپنے پیر و مرشد کا جو رسول اللہؐ کے دائیں جانب رونق افروز تھے۔ لیکن دونوں کی مشابہت میں کچھ فرق نہ تھا۔ گو بلھے شاہ اپنے پیر و مرشد کی صورت کا رسول مقبولؐ کی شباہت اور سے مقابلہ کرنے پر اکتفا کر کے آگے بڑھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ "آپ میرے دین و ایمان ہیں .... میں نے اپنے والدین اور گھر بار کو چھوڑ دیا ہے اور صرف آپ کا دامن پکڑ لیا ہے۔ اے میرے پیر و مرشد! میری محبت کی قدر کیجئے گا۔" [۱]

اس مقالہ پر یہ جو کہتے ہیں کہ حضرت بلھے شاہ معشوق حقیقی کی زندہ اور مستقل صوفیانہ تصویر پیش کرتے ہیں۔ اور چونکہ تصوف کی اصطلاح میں معشوق سے ہمیشہ خدائے تعالیٰ مراد لیا جاتی ہے۔ لہٰذا نتیجہ یہ نکلا کہ انہوں نے اپنے پیر کی تعریف کو غلو کے درجہ تک پہنچا کر اپنے مرشد حضرت عنایت شاہ قادری کو خدائے تعالیٰ سے ملا دیا ہے۔

[۱] وہ ہر کافی میں فرماتے ہیں کہ شاہ عنایت ہی گویا بعینہ خدائے تعالیٰ نے اپنے آپ کو حضرت شاہ عنایت شاہ صاحب کی صورت میں ظاہر کیا ہے۔ کچھ اور کافی میں اس طرح گویا ہیں کہ "وہ میرے مالک و حاکم ہیں" کافی نمبر ۲۰ میں فرماتے ہیں کہ "وہ میرے نزدیک خدا ہیں" لیکن اپنے پیر و مرشد سے محبت کرنا صرف بلھے شاہ تک محدود نہیں بلکہ پنجابی صوفیانہ شاعری کی جان ہو چکا ہے۔ ایک اور پیر پرست صوفی شاعر حضرت سلطان باہوؒ فرماتے ہیں "کاش میرے تمام جسم پر آنکھیں ہی آنکھیں ہوتیں تا کہ اس وقت بھی میں اپنے پیر و مرشد کو دیکھ سکتا۔ کاش میری ایک ہزار آنکھیں ہوتیں تاکہ میں اپنے آقا کو دیکھتا۔ میرے لئے ایک لحظہ بھی پیر کو دیکھنا لاکھ ہزار حج سے بھی بہتر ہے۔"

معشوق حقیقی کی یہ تصویر صوفیانہ شاعری کی سب سے بڑی خصوصیت ہے۔ ڈکشنری آف اسلام مصنفہ ہیوز میں ایک صوفی شاعر کا کچھ کلام درج ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ "میں نے کل جب کوس سلطنت بجایا اور اپنا خیمہ سب سے اونچے تخت پر نصب کیا۔ پھر میں نے ایسی محفل میں جس میں باری تعالیٰ جل جلالہ تھا، شراب وحدت جام الا سے پی"۔ ف۱

حضرت بلھے شاہ کی بعض کافیاں اس قابل ہیں کہ اس مقام پر لکھی جائیں تاکہ ناظرین کو معلوم ہو جائے کہ وہ اس مضمون کو کس طرح بیان کرتے ہیں۔

لیندا دیندا دل ہو گیا راہی

ماں جھڑکے بابل مارے — طعنے دیندے ویر پیارے

لیندا دیندا دل ہو گیا راہی

بوہے تے آ کے نادہ وجایا — عقل فکر سب چا گوایا

ترجمہ: "معشوق نے میرا دل چھین لیا ہے اور مجھے تنہا چھوڑ کر بھاگ گیا ہے۔ میری والدہ مجھے سرزنش کرتی ہیں اور میرے والد مجھے مارتے ہیں اور میرے عزیز دوست سب مجھے طعنے دیتے ہیں۔ اس نے میرے دروازے پر بجایا۔ اس کی آواز سے میرے عقل و ہوش سب کچھ جاتے رہے ہیں"۔

گھڑیالی دیو نکال نی
ہُن پی گھر آیا لال نی

ف۱ مترجم صاحب کی عبارت ملاحظہ ہو: "اگر مہری (معشوق) کے ساتھ وصل نصیب ہو تو کس طرح سے چین حاصل ہو سکتا ہے۔ جہاں کہیں پیارا خاوند مہری موجود نہیں ہوتا وہ شہر اور گاؤں دوزخ معلوم ہوتا ہے اور زیور اور ریشم کی سرخی ہیچ معلوم ہوتی ہے۔ جس عورت کا کوئی معشوق نہیں ہوتا وہ عمر بھر بغیر دوست کے رہتی ہے"۔

مہری سے مراد خدائے تعالیٰ کی ذات ہے۔

گھڑی گھڑی گھڑیال بجاوے رین وصل دی پیا گھٹاوے
میرے دل دی بات جے پاوے ہتھوں چا سٹے گھڑیال نی

گھڑیالی دیو نکال نی
اج پی گھر آیا لال نی

مکھ ویکھن دا عجب نظارا دکھ درد اٹھ گیا سارا
رین ودھی کچھ کرے پسارا دن اگے دھرو دیوال نی

گھڑیالی دیو نکال نی
اج پی گھر آیا لال نی

بلھا شوہ دی سیج پیاری نی میں تارن ہارے تاری
کویں کویں ہن آئی واری ہن وچھڑن ہویا محال نی

گھڑیالی دیو نکال نی
اج پی گھر آیا لال نی

ترجمہ: "پہرے دار کو گھڑی سمیت نکال دو۔ اب میرا معشوق میرے گھر آ پہنچا ہے۔ پہرے دار گھڑی گھڑی گھنٹہ بجاتا ہے اور اس طرح سے وصل کی رات کو کم کرتا جاتا ہے۔ کاش اس کو میرے دل کے خیالات معلوم ہو جاتے تو وہ بالضرور گھڑی کو دور پھینک دیتا۔ سبحان اللہ! وصل میں کیا لطف ہے۔ میرے تمام رنج و فکر کافور ہو گئے ہیں۔ کاش یہ رات لمبی ہوتی۔ اونچی دیوار کے ذریعہ سورج کی کرنوں کو اندر آنے سے روک دو اور پہرے دار کو گھڑی سمیت نکال دو۔ اے بلھے! معشوق کی پھولوں کی سیج بہت پیاری ہے۔ میں نے اس کی مدد سے محبت کی ندی کو عبور کر لیا ہے۔ میں اتفاقاً اس کے پاس آ گیا اور اب اس سے علیحدگی اختیار کرنا محال ہے۔ پہرے دار کو گھڑی سمیت نکال دو۔"

بیلی چھپ گئے آپ لد گئے میں وچ کی تقصیر　　راتیں نیند نہ سکھ سُتی دنے پاناں نیر
توپاں تے تلواراں کولوں تکھے عشقے دے تیر　　ایس جیہا نہ ظالم کوئی ایہ رحمت دے پیر
اک پل سخت آرام نہ دیندے بُری تھوڑ بری پیڑ　　بلھا شوہ جے آوے رکھاں سب ہوون تغیر

ترجمہ: میرا معشوق چلا گیا ہے اور مجھے ہمیشہ کے لئے فراق میں جلتا چھوڑ گیا ہے۔ آخر مجھ سے ایسا کونسا قصور سرزد ہو گیا ہے؟ رات بھر میری آنکھ نہیں لگتی اور دن بھر زار زار روتا رہتا ہوں۔ تیر محبت تلوار سے زیادہ تیز اور توپ سے زیادہ خوفناک ہے۔ عشق سے بڑھ کر اور کوئی چیز ظالم نہیں۔ یہ لاعلاج مرض ہے۔ اس کے علیحدہ ہو جانے سے مجھے ایک لمحہ کے لئے بھی چین نہیں آتا۔ مجھے سخت تکلیف محسوس ہو رہی ہے۔ بلھے شاہ اگر وہ مہربان ہو جائے تو میری تمام تکلیف خوشی سے بدل سکتی ہے۔

ایک اور مقام پر کہتے ہیں کہ معشوق! مجھ سے شرم نہ کر۔ میرا معشوق میرے نزدیک تصاقی سے بے رحم ہے۔ چڑیوں کو پتھر مارنا تو گاؤں کے لڑکوں کے لئے ایک معمولی بات ہے۔ لیکن خود چڑیوں کے لئے موت ہے۔ ..... اب میں پہچان گیا ہوں کہ میرا معشوق بہت ہی حسین ہے۔ اس کے حسن کا تذکرہ ہر فرد و بشر کی زبان پر جاری ہے ..... میں اس کا ایک ادنٰے غلام دربار رب کش ہوں اور علم کے جھاڑو سے ہر روز میں محبت کی خاک کو روندتا ہوں۔

نی میں پُن سنیاں عشق شرع کی ناطا
محبت دا اک پی پیالہ　　بُھل جاؤں سب باتا
نی میں پُن سنیاں عشق شرع کی ناطا
منطق معنی کنز قدوری　　پڑھیا علم گنواتا
نی میں پُن سنیاں عشق شرع کی ناطا

ترجمہ: مجھے اب معلوم ہو گیا ہے کہ شرع کیا شے ہے اور عشق کیا شے ہے۔ مجھے

ایک پیارے کی خاطر سب دنیاوی باتیں بھول جاتا ہوں محبت سے آشنا ہونے کے بعد ایک شخص ہر دنیاوی علم بھول جاتا ہے خواہ وہ منطق ہو یا علم ادب، قانون ہو یا سائنس۔"

نی سیو میں گئی گواچی
کھول گھونگھٹ مکھ ناچی

نام و نشان میرا سیئو — جو آکھاں تسیں چپ کر رہیو
ایہ گل مول کسے نہ کہیو — بلہا اخوب حقیقت جاچی

نی سیو میں گئی گواچی
کھول گھونگھٹ مکھ ناچی

رہیا نہ میرا نام نشان — مٹ گیا جھگڑا شور
یار آپ جمال دکھائے — مست قلندر رہوں متوالے

جیدے نال میں نینہ لگایا اوہو جیہی ہوئی

ترجمہ:۔ "دوستو! میں ہمیشہ کے لیے (معرفت کے جنگل میں راستہ) بھول گیا ہوں۔ میں نے اپنے چہرے پر سے پردہ اٹھا دیا ہے اور دیوانہ وار ناچ رہا ہوں۔ دوستو! نہ تو میرا کوئی نام ہے اور نہ کوئی نشان جس سے تم مجھے پہچان سکو۔ میں صرف اب یہ چاہتا ہوں کہ تم خاموش رہ کر میری باتیں سنو۔ اس لئے کہ بلھے شاہ نے اب سچائی معلوم کر لی ہے۔" ...... سب قسم کی بے اطمینانی جاتی رہی ہے۔ اور میں بے نام و نشان رہ گیا ہوں۔ میرے پیارے مجھے اپنا جمال دکھا دے۔ میں مست قلندر کی طرح متوالا ہوں۔ مجھے اپنے پیارے نے (یعنی جس سے مجھے محبت تھی) وصل حاصل ہو گیا ہے۔"

اس قسم کے اصول کی فلسفیانہ سادگی نے بہت سے اہل مشرق کی توجہ اپنی طرف اور انکی رعنائی اور حسی تصویروں نے بہت سے شاعروں کے تخیل کو

موثر کیا ہے۔ حافظ ایک صوفی تھے۔ عمر خیام کو ان کے پاک طینت دوستوں اور مداحوں نے ہمیشہ صوفی مانا۔ اور جیسا کہ عمر خیام نے کسی رباعی میں ظاہر کیا ہے۔ ان کا بھی یہی عقیدہ تھا کہ جام شراب معشوق اور لال لال رخسار اعلیٰ روحانی سچائیوں کو ظاہر کرنے کے لئے محض نشانات ہیں۔ عمر خیام پر تنقیدانہ نظر ڈالنے والوں کو ایسی روحانیت کی بو بہت کم آتی ہے۔ اور اگر وہ اپنے شبہات کا ذکر عمر سے کرتے تو یقیناً وہ مسکراہٹ کے علاوہ کچھ اور جواب نہ پاتے۔ وہ ہمارے بہت سے حکماء کی طرح دونوں قسم کے فلسفہ سے بخوبی واقف تھے۔ لیکن شاہ صرف ایک ہی مندر کے پجاری رہے اور وہ خالص سیدھے سادے صوفی تھے ◆

”گلے کی مالا۔ پھولوں کے ہار۔ اور چوڑیوں سے لدی ہوئی باہیں۔ کالی کالی معطر زلفیں جو شہاب کی طرح چمکتی ہیں۔ گلاب کے سے رخسار اور ہونٹ جو بے ساختہ منہ سے سبحان اللہ کہلوا دیتے ہیں“ ان سب چیزوں نے بلھے شاہ پر جو بڑے ریاضت کش درویش صوفی تھے اپنا اثر نہیں ڈالا تھا بلکہ ان کے نزدیک معشوق محض ایک شاعرانہ تصویر تھی۔ جو خدائی روح کے ساتھ (جو ہر جگہ پھیلی ہوئی ہے) انسانی دل اور آخر کار کامل وصل کی باطنی سچائی کو چھپاتی اور ظاہر کرتی تھی۔ اور اگر وہ بعض اوقات حسی جذبات کی زبان میں اعلیٰ روحانی سچائیوں کو ظاہر کرتے ہیں۔ تو ہمیں یہ بات یاد رکھنی چاہیئے کہ وہ صرف اس مشہور اور فلسفیانہ روایت کی تقلید کر رہے ہیں اور جس کی بنیاد شاید ایشیائیوں کے نزدیک نصف سچائی پر قائم ہی ہو۔ اور وہ یہ ہے کہ وجدانی حالت اور نفسی جذب میں جو نہایت [illegible] آتی ہیں۔ انسان کے دل پر خدائی محبت کی ملکی کرنیں جو انسان کی سمجھ سے باہر ہے ڈالنے میں کامیاب ہوتی ہے صوفیوں کے عقائد کی اصل جو کچھ بھی ہو۔ خواہ وہ اسلام کی ایک شاخ ہوں

سلہ الجا: تبصرۃ الحقیقہ کی طرف اشارہ ہے ۱۲ مترجم

اورخواہ اسلام کی تعلیم کے خلاف ہوں ۔ اور برہمنوں ۔ بدھوں اور افلاطون آئی کے عقیدوں سے ملتے جلتے ہوں ۔ یہ صاف ظاہر ہے کہ ایک معمولی ہندو اور مسلمان کے نزدیک تصوف ۔ پیشواؤں ۔ رسموں اور طریقوں کے بالکل خلاف ہے ؎

اک نقطے وچ گل مکدی ہے

اینویں متھا زمیں گھسائیدا   لماں پا محراب دکھائیدا
پڑھ کلمہ لوک ہسائیدا   دل اندر سمجھ نہ لیائیدا

اک نقطے وچ گل مکدی ہے

کئی حاجی بن بن آئے جی   گل نیلے جامے پائے جی
حج ویچ ٹکے لے کھائے جی   بھلا ایہ گل کینوں بھائے جی

اک نقطے وچ گل مکدی ہے

اک جنگل بحریں جاندے نی   اک دانہ روز لے کھاندے نی
بے سمجھ وجود تھکاندے نی   گھر آون ہو کے ماندے نی

اک نقطے وچ گل مکدی ہے

مکے گیاں گل مکدی ناہیں بھر بھر دیوے آپ سکائیے   گنگا گیاں گل مکدی ناہیں بھانویں سو سو غوطے لائیے
گیا گیاں گل مکدی ناہیں بھانویں کتنے پنڈ بھرائیے   بلھا شاہ گل تاہیں مکدی جدوں میں نوں کھڑیاں لٹائیے

اک نقطے وچ گل مکدی ہے

پہڑ مرشد عبد خدائی ہو   وچ مستی بے پروائی ہو
بے خواہش بے نوائی ہو   وچ دل دے خوب صفائی ہو

ترجمہ:۔ اپنی پیشانی نماز میں بے سود کیوں رگڑتے ہو اور کیوں مذہب کی تلقین کر کے لوگوں کو اپنے اوپر ہنسنے کا موقع دیتے ہو ۔ جبکہ تم خود خدا تعالے کو اپنے دل میں نہیں پہچانتے ؟ بعض لوگ ایسے بھی ہیں جو حج کرتے ہیں اور نیلے کپڑے پہنتے ہیں ۔ اور

ف دیکھو صفحہ ۱۰۵

پیر روپے کے عوض ان روحانی فوائد کو جو انہیں یک جانے سے حاصل ہوتے ہیں۔ بیچ دیتے ہیں۔ لوگ اس دھوکے کو پسند نہیں کرتے۔ بعض ایسے بھی ہیں جو جنگل میں بود و باش اختیار کر لیتے ہیں یا بحری سفر کرتے ہیں۔ اور روزانہ ایک دانہ اناج کا (یعنی نہایت ہی قلیل خوراک) کھاتے ہیں ایسے لوگ اپنی بیوقوفی کی وجہ سے اپنے جسموں کو ناحق تکلیف دیتے ہیں اور (نتیجہ یہ ہوتا ہے) بیمار ہو کر گھر آجاتے ہیں۔ اور خواہ مخواہ چالیس دن کا روزہ رکھ کر اپنی جان کو تکلیف دیتے ہیں۔ لیکن نہ تو مکہ جانے سے بھید حل ہوتا ہے جب تک کہ ہم خود اپنے دل میں اسے حل نہ کریں۔ اور نہ گنگا جانے سے خواہ ہم سو دفعہ اس میں نہائیں۔ اور نہ گیا میں برہمنوں کو زکوٰۃ دینے سے۔ بھید کی گتھی حل ہوتی ہے جب ہم خودی (انانیت) کو اپنے نفس سے نکال دیتے ہیں۔ کسی مرشد کا دامن پکڑ لو۔ خدا کے سچے بندے بن کر اسکی پرستش کرو۔ اس کی دھن میں دیوانے بنے رہو۔ اور کسی بات کی خواہش اور پرواہ مت کرو۔ اپنے دل میں خوب صفائی پیدا کرو۔ سمجھے اچھی بات بغیر کہے کب رک سکتی ہے فقط ایک نقطے میں سب باتیں ختم ہو جاتی ہیں"

یہ بات قابل ذکر ہے کس خاموش صفائی کے ساتھ وہ مذہب ہنود اور اسلام پر حملہ کرتے ہیں۔ ایسے ملک میں جہاں زیادہ تر یہی دو مذاہب پائے جائیں جن میں سے ایک کو دوسرے کے ساتھ کچھ واسطہ نہ ہو۔ ایک ایسے شخص کا موجود ہونا جو مذہب

(حاشیہ صفحہ ۱۴) سلہ اس علامت سے عموماً حاجی لوگ پہچانے جاتے ہیں۔ اب سبز رنگ استعمال ہوتا ہے۔ کبیر فرماتے ہیں کہ جو لوگ ساڑھے تین گز کی دھوتی اور تہرا جنیو پہنتے ہیں جن کی گردنوں میں مالا پڑی ہوتی ہے اور جن کے ہاتھ میں سفید لوٹے ہوتے ہیں۔ بنارس کے دھوکباز سادھو کہلانے کے مستحق نہیں ہیں۔ ایسے فقیر مجھے اچھے نہیں معلوم ہوتے۔ اگرچہ گنہگار ہمیشہ قانون کی خلاف ورزی کرتے ہیں لیکن اسپر بھی یہ کہا جاتا ہے کہ ان کا چہرہ نہیں چھونا چاہیئے۔"

کی پابندیوں سے علیحدگی رکھتا ہو اور جو انتہائی تعصب کے دونوں مذاہب پر نکتہ چینی کر سکتا ہو ایک معمولی بات نہیں ہے۔ بھلے شاہ کی دوستی ایک ہندو فقیر پنڈت درشنی ناتھ کے ساتھ بھی اعلانیہ تھی کیونکہ اول تو انہیں اپنے خیالات کی بے تعصبی کو عملی صورت میں لانے کی دلیری تھی، اور دوسرے وہ ذات پات کی قیود کے سبب اپنی دوستی کو درہم برہم نہیں ہونے دیتے تھے۔ ان کی یہ حرکت ان کے ہم مذہبوں کو ہمیشہ بری معلوم ہوئی۔ انہوں نے انہیں کافر و ملحد ہونے کا الزام لگایا۔ اور یہ ایسے خطابات ہیں جن کو پکے مسلمان ان لوگوں کے لئے جو دین سے ہٹ جاتے ہیں استعمال کرتے ہیں لیکن حضرت شاہ بہت ہی مستقل ہیں۔ وہ اپنے کٹر دشمنوں کے الزامات اور جھڑکیوں کا برابری کے ساتھ جواب دیتے ہیں۔ وہ ان کی ناراضگی کی پرواہ نہیں کرتے وہ ملاؤں کے پاکھنڈ کی بری طرح خبر لیتے ہیں۔ فرماتے ہیں۔

پڑھ پڑھ مسئلے ہو یا پیر — بہت مساں نوں آن لٹ کھایا
پڑھ پڑھ نفل نماز گزاریں — اچیاں بانگاں چانگاں ماریں
منبر چڑھ کے وعظ پکاریں — تینوں کیتا حرص خوار
پڑھ پڑھ مسئلے روز سناویں — کھانا شک شبہ دا کھاویں
پڑھ پڑھ ملاں ہوئے قاضی — اللہ علماں باجھوں راضی
جیتا علم عزازیل پڑھیا — جھگا پالا اسدا سڑیا
گل وچ طوق لعنت دا پڑیا — آخر گیا اوہ بازی ہار
پڑھ پڑھ علم لگاویں ڈھیر — قرآن کتاباں چار چوفیر
گردے چانن وچ انھیر — باجھوں رہبر خبر نہ سار

علموں بس کریں او یار
علموں بس کریں او یار

ترجمہ:- علم پڑھ کر تم عالم تو بن گئے۔ لیکن جاہلوں کو لوٹتے ہو۔ تم بآواز بلند نمازیں پڑھتے اور وعظ کہتے ہو۔ لیکن نفسانی خواہشات نے تمہیں بدنام کر رکھا ہے۔ تم خطبے پڑھتے ہو۔ لیکن ساتھ ہی شک و شبہ کی خوراک (حرام) کھاتے ہو۔ علم پڑھ کر تم ملّا اور قاضی بن گئے ہو۔ لیکن خدا تو بغیر علم کے بھی خوش ہو سکتا ہے۔ شیطان سب سے زبردست عالم ہے لیکن لعنت کی زنجیریں اُس کی گردن میں پڑی ہوئی ہیں۔ اور آخر میں بازی ہار گیا ہے تم اپنے گرد و پیش قرآن شریف اور دیگر کتابیں بکثرت رکھتے ہو۔ لیکن تمہارے ارد گرد روشنی ہے اور خود تمہارے دل میں اندھیرا ہے"۔

جب ایک شخص نے ایک مرتبہ آپ سے طنزاً یہ بات پوچھی کہ آپ ذات پات اور مذہبی تفریق کا لحاظ کیوں نہیں کرتے؟ تو آپ نے جواب میں فرمایا کہ "تم میری ذات کیوں پوچھتے ہو؟ میری ذات تو وہی ہے جو حضرت آدمؑ کی ذات ہے"۔ یہ جواب اگرچہ بظاہر سنجیدہ ہے۔ لیکن اس نے دشمنوں کے منہ بند کر دیئے۔ آگے چل کر اسی کے ضمن میں فرماتے ہیں:-

ہندو ناں نہیں مسلمان	بہئے ترنجن تج ایمان
سنی ناں نہیں ہم شیعا	صلح کل کا مارگ لیا
بھکے ناں نہیں ہم رجے	ننگے ناں نہیں ہم کجے
روندے ناں نہیں ہم ہسدے	اُجڑے ناں نہیں ہم وسدے
پاپی ناں سودھر سیئے ناں	پاپ پن کی راہ نہ جان
بلھا شوہ جو ہر چت لاگے	ہند و ترک دو جن تیاگے

ترجمہ:- میں نہ ہندو ہوں نہ مسلمانؑ نہ سنّی اور نہ شیعہ۔ میرا مسلک تو صلح کل ہے۔

---

۱ حضرت بابا نانک صاحب کا قول ملاحظہ ہو۔ فرماتے ہیں کہ "راستے تو دو ہیں یعنی مذہب ہندو اور اسلام لیکن خدا ایک ہے"۔ حضرت کبیر صاحب فرماتے ہیں "ہندوؤں اور مسلمانوں کا فتنہ درج کیا ہے۔ اور ان کا مذہب کس سے جنا ہے؟ اپنے دل میں ان باتوں پر خود غور کر کے مجھے بتاؤ بہشت دوزخ کس کے لئے بنے ہیں؟"

میں نہ بھوکا ہوں اور نہ سیر ہوں۔ نہ عریاں ہوں اور نہ لباس زیب تن کئے ہوئے ہوں۔ نہ ہنستا ہوں۔ روتا ہوں۔ نہ میرا کوئی گھر ہے اور نہ میں بے گھر ہوں۔ نہ میں گنہگار ہوں اور نہ بےگناہ ہوں سے پاک ہوں۔ میں بدی یا نیکی کا راستہ نہیں جانتا۔ بلھے شاہ جو شخص خدا سے محبت کرتا ہے۔ ہندو ہو یا ترک (مسلمان) ہمیشہ علیحدہ رہتا ہے[ملہ] دنیا میں شیعہ بھی ہیں اور سنی بھی۔ لیکن ان سب سے میری ہنڈیا (مذہب) علیحدہ ہی ہے"

حضرت بلھے شاہ صاحب کی ایک بہت مشہور کافی ہے جس میں وہ ان تکالیف کی توضیح کے ساتھ بیان فرماتے ہیں جو محبت کے راستے میں پیش آتی ہیں۔ اس کافی کا اس جگہ اندراج اس لئے ضروری خیال کیا گیا ہے کہ وہ تصوف کے مسئلہ محبت پر بہت کچھ روشنی ڈالتی ہے۔

کافی

رہ رہ وے عشقا ماریائی
کہہ کسنوں پار اُتاریائی

اس عشق دے جھڑے اَوَّنبر — عشق نہ چھپدا باہر اندر
عشق کیتا شاہ شرف قلندر — باراں ورہے دریا وچ ٹھاریائی

رہ رہ وے عشقا ماریائی الخ

آدم کنکوں منع کرایا — آپے مگر شیطان دوڑایا
کڈھ بہشتوں زمین لایا — کیہ ڈیپار پساریائی

رہ رہ وے عشقا ماریائی الخ

موسےٰ اتے فرعون کو طور چڑھایو — اسمٰعیل نوں ذبح کرایو
یونس مچھی توں نگلوایو — کیہ سر تختے چا چڑھایائی

رہ رہ وے عشقا ماریائی الخ

ملہ تفرداتِ ابیات کی تفسیر نہیں ہے

منصور نوں چا سولی دتا — رمز بھید اکھوایا پتا
ذکریا سر کلوتر دتا — اسدا کی کم سی ریائی

رہ رہ وے عشقا ماریائی الخ

خواب زلیخا نوں وکھلایو — یوسف کھوہ دے وچ پوایو
بھایاں نوں الزام . . ایو — تاں مرتب چا بسڑیائی

رہ رہ وے عشقا ماریائی الخ

نمرود توں آپ خدا اکھایو — اس نے رب نوں تیر چلایو
مچھر توں نمہ ودھروایو — قارون زمیں نگھاریائی

رہ رہ وے عشقا ماریائی الخ

فوجاں قتل کرائیاں جایاں — مشکاں چوبیاں تمل کٹوایا
ڈٹھی تیری قدرت سایاں — سر تیتھوں بلھیا ریائی

رہ رہ وے عشقا ماریائی الخ

کیردیاں لڑ کرن لڑائیاں — اٹھاراں جوناں تد دل چھپایا
آئے بھائی مارن : نایاں — کھرا سیانوں نرواریائی

رہ رہ وے عشقا ماریائی الخ

نین لیلے دے دھیاں پایا — تاں مجنوں نے کہیاں لایاں
آہیوں ماراں عشق جھنگھایاں — کھوہ بے بس گزرایائی

رہ رہ وے عشقا ماریائی الخ

سسی تھلاں دے وچ رلائی — سوہنی کچے گھڑے روڑائی
رانجھے پچھے گل گوائی — ٹکڑے کر کر ماریائی

رہ رہ وے عشقا ماریائی الخ

عشق تیرا میرے دل دھایا — تاں رانجھے نے کن پڑایا
صاحباں نوں دیا بن آیا — سر مرزے دا وارایائی

رہ رہ وے عشقا ماریائی الخ

مغلاں زہر پیالے پیتے — بھوریاں والے راجے کیتے
سب اشراف پھرن چپ کیتے — بھلا انہاں نوں جھاڑ پائی

رہ رہ وے عشقا ماریائی الخ

زکریے نوں بن باپ جمایا — نوحے پر طوفان منگایا
ماں پیو دے چستہ لڑایا — ڈوب انہاں نوں جھاڑ پائی

رہ رہ وے عشقا ماریائی الخ

بھجے سلیمان توں جھکوایو — ابراہیم چخہ وچ پایو
صابر دے تن کیڑے پایو — حسن زہر دے ماریائی

رہ رہ وے عشقا ماریائی الخ

شاہ سرمد دا گلا کٹایو — شمس تے جاں سخن الایو
تمر بازنی آپ کہایو — پھیر سروں کھل اتارایائی

رہ رہ وے عشقا ماریائی الخ

بلھا شاہ فقیر بے چارا — روشن جگ وچ نام تمہارا
چلیا دے گے کوچ نقارا — جھوٹوں سچ نتاریائی

رہ رہ وے عشقا ماریائی الخ

ترجمہ محبت نے راستہ میں تجھ کو پچھاڑا ہے۔ مجھ کو بتا کہ ایسا کون شخص ہے جس کو تو نے صحیح وسلامت نے محبت پچھاڑا اور بہت سے بہشت سے میں عابد و نبی تک اسکی زد سے نہیں بچے بتا تو نے والد جو قبول محبت پاند ... بہر گا نیچے رہے۔ آدم کو گیہوں کھانے سے منع کیا

گیا تھا۔ لیکن شیطان آدم کی ناک میں رہا نتیجہ یہ ہوا کہ حضرت آدمؑ آسمان سے نکالے گئے۔ اور زمین پر پھینک دیئے گئے۔ دیکھ اے محبت! یہ تیرے ہی کھیل ہیں تو نے ہی حضرت موسیٰؑ کو کوہ سینا پر بھیجا۔ تو نے ہی حضرت اسمٰعیل کو ذبح ہونے کے لئے صحرا میں بلایا۔ اور تو نے ہی حضرت یونس کو مچھلی کے نگلنے کے لئے بلایا۔ ایسا کونسا شخص ہے جس کو تو نے عزت کی نظر سے رکھا ہو؟ منصور دار پر کھینچا گیا۔ زہیر[۱] کا پتا نکالا گیا حضرت زکریا[۲] کا سر آرے سے کاٹ ڈالا گیا۔ تو نے ان کو کیا عزت بخشی؟ تو نے حضرت یوسف کو کوئیں میں قید کرایا۔ اور زلیخا کو خواب دکھایا۔ تو نے ہی حضرت یوسف کے بھائیوں پر الزام رکھا۔ اور حضرت یوسف کو تخت پر بٹھایا۔ فرعون نے اپنے آپ کو خدا کہا۔ اور حضرت موسیٰؑ سے جھگڑا کیا۔ تو نے ہی اسکو مغرور کر دیا۔ اور پھر تو نے ہی اسکو دریائے نیل میں غرق کر دیا۔ نمرود نے اپنے آپ کو خدا کہا۔ اور خدا تعالیٰ پر تیر پھینکا۔ اور بعد میں تو نے اس کو ایک مچھر سے مروا ڈالا۔ اور قارون کو تہ خاک کر دیا۔ تو نے ہی یزید کو پیدا کیا اور حضرت حسینؑ سے لڑایا۔ تو نے ہی ہر ایک حصے میں بغاوت پیدا کر دی۔ اور پھر ان کا سر نیزے پر لٹکایا۔ بھائیوں کی فوجیں کٹ مریں۔ مشکوں کو چوبے کاٹ گئے[۳]۔ یہ سب باتیں تیری قدرت ظاہر کرتی ہیں۔ اے خدا! میں اپنی جان تجھ پر نثار کرتا ہوں[۴]۔ کورو اور پانڈو[۵] آپس میں ایک دوسرے سے لڑے۔

---

[۱] معلوم نہیں یہ کون صاحب ہیں؟ [۲] حضرت ذکریا کا واقعہ یوں ہے کہ حضرت زکریا نے دشمنوں کے تعاقب کی وجہ سے خدا کی بجائے ایک درخت سے مدد مانگی تھی جس نے فوراً انکو اپنی آغوش میں چھپا لیا۔ لیکن دشمن شیطان کی رہبری میں درخت تک پہنچے۔ درخت آرے سے کاٹ ڈالا گیا۔ اور اسطرح سے حضرت زکریاؑ کا سر علیحدہ ہو گیا۔ مترجم [۳] ایک روایت کے مطابق چوہوں نے حضرت حسین علیہ السلام کی فوج کی مشکیں کاٹ دی تھیں جسکے سبب وہ پانی سے محروم رہے۔ مترجم [۴] بعض دوسرے ایڈیشنوں میں رادھا کی رامن پر چڑھائی اور سیلون پر حملہ کرنیکا ذکر ہے لیکن میں نے منشی فضل الدین تاجر کتب کے ایڈیشن کی پیروی کی ہے۔ مترجم [۵] کورو اور پانڈو کی ہی لڑائی ایک عورت دروپدی پر

بھائی نے بھائی کو قتل کیا۔ اس طرح ہزاروں تہ تیغ ہوئے۔ بتا تو نے اُنکے ساتھ کیا انصاف
کیا؟ تو نے کیچاں (۱) کے ساتھ کیا کیا؟ تو نے کرشنا جی کو مکھن چرانے پر مائل کیا۔ اور تو نے
ہی راجہ کنس (۲) کو قتل کرایا۔ محبت نے لیلےٰ کو مشہور کر دیا۔ کیونکہ مجنوں اس کو اپنا
دل دے چکا تھا۔ اُس کو محبت کی تلخی معلوم تھی۔ کیونکہ کئی سال تک وہ کنوئیں میں
پڑا رہا۔ تو نے سسّی (۳) کو بے پنہوں (۴) کر دیا۔ اور سوہنی کو دریا میں غرق کیا (۵)۔ جب رودا (۶) کی باری
آئی تو نے اُس کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے۔ جب ہیر کے دل کو محبت نے آگھیرا۔ رانجھا
فقیر بن گیا۔ (۷) اپنے کان چھید والئے۔ جب صاحباں (۸) نے جام محبت پیا۔ اس نے مرزا
کے لیے اپنی جان دیدی (۹)۔ کملی اوڑھنے والے بادشاہ بن گئے۔ اور مغلوں کو زہر پینا پڑا۔

---

۱ یہ ایک خوبصورت لڑکی تھی جس سے کرشن جی کو محبت تھی۔ یہ کہانی بھی مہابھارت میں درج ہے
۲ کنس کرشن جی کا چچا تھا۔ جو اپنے بھتیجے کے ہاتھوں مارا گیا تھا۔ مکھن کا چرانا کرشن جی کے زمانہ شباب کی
ایک عادت تھی۔ ۳ یہ بلوچستان کے حسن و عشق کا قصہ ہے جو پنجاب میں خاصی شہرت رکھتا ہے۔ سسّی نے
محبت کی وجہ سے اپنے عاشق پنوں کے لئے جان دیدی تھی ۱۲ ۵ یہ ایک حسن و عشق کا افسانہ ہے مہینوال
جس کا اصلی نام مرزا عزت بیگ تھا۔ بلخ یا بخارا کا رہنے والا تھا۔ وہ اتفاق سے سوہنی کے عشق میں مبتلا ہو گیا
جو گجرات کے ایک کمہار کی لڑکی تھی۔ مہینوال اس لڑکی کے مویشی چرانے کے لئے نوکر ہو گیا۔ لیکن آخر کار اس کے
والدین نے اُسے نکال دیا۔ وہ اپنے عاشق کے دیکھنے کے لئے مٹکوں کی کشتی پر بیٹھ کر دریائے چناب کو طے
کیا کرتی تھی۔ لیکن یہ راز بالآخر معلوم ہو گیا۔ اور اس کے ایک رشتہ دار نے مٹکے بدل دئے یعنی ان کی بجائے
کچے مٹکے رکھ دیئے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ سوہنی ڈوب گئی۔ اور مہینوال نے بھی دریا میں جان دیدی۔ روایت کے مطابق
ان کی لاشیں دریا میں پیوستہ پائی گئیں۔ لڑکی کا خاندان ابتک ہے۔ اور انکی عورتیں اپنی خوبصورتی کی وجہ سے
مشہور ہیں ۱۲ ۶ رودا جلالی کا عاشق تھا۔ یہ بھی متذکرہ بالا قصہ کی طرح محض حسن و عشق کا افسانہ ہے ۱۲
۷ ہیر اور رانجھا پنجاب کے مشہور عاشق ہیں۔ وارث شاہ نے جو پنجابی زبان کے بہت ہی مشہور اور ہر دلعزیز
شاعر ہیں اس قصہ کو نظم کیا ہے۔ ہیر کا مقبرہ ضلع جھنگ میں ہے۔ یہ قصہ پنجاب میں بہت مشہور ہے ۱۲ ۸ یہ بھی حسن و عشق کا افسانہ ہے

دیانت دار اشخاص نے بھی زبان روک لی۔ اور تو نے اُن کی بھی حسرت بھرلی۔

تو نے ہی حضرت عیسیٰؑ کو بغیر باپ کے پیدا کیا۔ اور حضرت یوسفؑ پر زندان بھیجا۔ اور باپ بیٹوں میں لڑائی ڈلوادی۔ پھر تو نے انکو عتاب کر کے سزا دی۔ تو نے حضرت سلیمانؑ سے آگ جلوائی۔ اور خود حضرت ابراہیمؑ کو آگ میں ڈلوایا۔ تو نے حضرت ایوبؑ کے بدن میں کیڑے ڈلوائے۔ اور حضرت حسنؓ کو زہر پلایا۔ تو نے ہی سرمد کا سر اُڑا دیا۔ اور تو نے ہی "قم باذنی" کہلوایا۔ اور حضرت شمس کی درخواست پر انکی مچھلی کو بھون دیا بلھے شاہ ایک غریب فقیر ہے۔ اور یہاں سے کوچ کا نقارہ بجا رہا ہے۔ میرے نام کی روشنی ہی دنیا میں چمک رہی ہے۔ کیونکہ میں نے جھوٹ کو سچ سے علیحدہ کر دیا ہے"۔

یہ ایک عجیب کافی ہے حضرت شاہ صاحب قرآن شریف کے مقدس صحیفوں سے پیغمبروں۔ نجومیوں۔ ہندوؤں کی روایتوں۔ ویدانتوں۔ مشہور بتعلیم جوگیوں اور پرانے زمانے کے عاشقوں کو اپنی اس نظم میں محبت کی پر زور طاقت کا اظہار کرنے کے لیے لے آئے ہیں۔

یہ کافی بہت سے اشخاص کا ایک عجیب اور بے مثل مجموعہ ہے۔ یہ نظم مغربی کانوں پر ویسا ہی تعجب خیز اثر رکھتی ہے جیسا کہ کوئی شخص کہے کہ رومیو اور جولیٹ یا پرسیلن کا حال تواریخ کے تیرھویں باب میں مذکور ہے۔ اس کافی کے پڑھنے کے بعد ایک معمولی شخص کے خیالات قدرتاً اس صوفیانہ خیال کی نسبت کہ خدا تعالیٰ کی محبت کیا چیز ہے۔ ذرا پریشان سے ہو جاتے ہیں۔ وہ اس بات کا خیال کرنے لگتا ہے کہ آیا خود شاعر صاحب نے بھی اس بین فرق کو محسوس کر لیا ہے جو انسان اور خدا میں ہے؟ لیکن اس قسم کی تقسیم مغربی لوگوں کے لیے خواہ کتنی ہی درست اور مناسب کیوں نہ ہو

سلہ حضرت بلھے شاہ صاحب کی زندگی میں سکھ پنجاب میں لوٹ مار کر رہے تھے آپ اس شعر میں لوگوں کے جو اُس وقت حاکم تھے ہمدردی ظاہر کرتے ہیں ۱۲؎

ایک صوفی کے نزدیک کچھ حقیقت نہیں رکھتی۔ بلھے شاہ جیسے شاعر کے نزدیک جو "ہمہ دوست" میں سرشار تھے۔ اور جس کی کچھ تشریح ہم سوہنی ہرن کی نظم "ہر تھا" میں پاتے ہیں۔ ہر ایک چیز جو وجود اور زندگی رکھتی ہے اور متحرک ہے۔ اسی ایک ذات کا جلوہ ہے جو ہر جگہ پھیلی ہوئی ہے۔ اور تمام خیالات جنہوں نے مردوں اور عورتوں میں کام کاج کرنے کی روح پھونکدی ہے۔ کائنات کی روح کے جلوے ہیں۔ لہذا انسان اور خدا میں تفاوت جاتا رہتا ہے۔ درحقیقت اگر صوفی کے عقیدے کو مشہور شاعر کولرج کے الفاظ میں ادا کیا جائے تو وہ یہ ہے:۔

"تمام خیالات۔ تمام خواہشات اور تمام خوشیاں اور وہ چیزیں جو اس"
"فانی انسانی پیکر کو گھیرے ہوئے ہیں صرف محبت کی غلام ہیں اور"
"اس کی مبارک شمع کو روشن کرتی رہتی ہیں"

اس پیرائے میں جو حضرت بلھے شاہ نے محبت کے متعلق اپنے خیالات کے اظہار کے لئے اختیار کیا ہے، ایک عجیب بات معلوم ہوتی ہے۔ اور وہ صرف بلھے شاہ ہی تک محدود نہیں ہے۔ بلکہ تمام پنجابی قصص حسن و عشق میں پائی جاتی ہے یعنی یہ کہ عاشق ہمیشہ عورت دکھائی جاتی ہے۔ اور معشوق مرد۔ جب ہم خالص مذہبی نظموں کو جیسی حضرت بلھے شاہ کی ہیں پڑھتے ہیں تو یہ بات عجیب معلوم نہیں ہوتی کیونکہ پیشتر سے "غزل الغزلات" نے ہمارے کانوں کو آشنا کر دیا ہے۔ لیکن جب ہم ان نظموں کو پڑھتے ہیں جو خالصتہً حسن و عشق کے افسانے ہیں، اور کچھ بھی روحانی معنی نہیں رکھتے، تو یہ عاشق و معشوق کی تبدیلی مغربی خیالات کو عجیب معلوم ہوتی ہے۔ ہم مغربی لوگوں کے نزدیک جن کے کانوں میں اب تک قرون وسطیٰ کی مثنویوں کی آوازیں گونج رہی ہیں، عورت ضعف و لطف کا مرتبہ رکھتی ہے۔ اور وہ ایسی ذات ہے جس کی ہم پرستش کرتے ہیں۔ تمام عاشق ہمیشہ مرد ہوتے ہیں۔ اور عورت

ہمیشہ معشوق۔ اور مغربی یورپ کے رچے حسن و عشق کے افسانوں میں یہی بات دیکھی جا سکتی ہے کہ مرد عورت سے محبت کرتا ہے۔ تقریباً تمام پنجابی شاعری میں عورت ہی عاشق دکھائی جاتی ہے۔ اور مرد معشوق۔ عورت ہی ہے جو اپنے آوارہ مالک کے ہجر میں آہ و زاری کرتی اور روتی ہے۔ یہ عورت ہی ہے جو تعریف کرتی ہے۔ اور مرد ایک دیوتا ہے جسکی وہ پرستش کرتی ہے۔

یہ کہنا مشکل ہے کہ اس عملی روایت کا اصلی سبب کیا ہے۔ خود پنجابی شعرا بھی اس کو نہیں جانتے۔ جہاں تک میرا علم رسائی کرتا ہے میں کہہ سکتا ہوں کہ یہ روایت اہل پنجاب کو عربی، فارسی اور سنسکرت علم ادب سے ورثہ میں نہیں پہنچی ان تینوں زبانوں میں غزل کے لئے یہ قدرتی بات تسلیم کی گئی ہے کہ مخاطب عورت کو بنایا جائے۔ ایک دفعہ میں نے پنجاب کے ایک شاعر سے پوچھا تھا کہ اس خصوصیت کی وجہ کیا ہے۔ لیکن چونکہ اس نے اس بات پر پہلے کبھی غور نہیں کیا تھا۔ اس لئے وہ بھی اس کا قابل اطمینان جواب سوچنے میں پریشان رہا۔ اور آخر کار اس نے یہ بات نکالی کہ مرد کے لئے یہ امر زیادہ ارفع و اعلیٰ ہے کہ اس سے محبت کی جائے بہ نسبت اس کے کہ وہ خود محبت کرے۔ اور اس روایت کا مقصد صرف یہ ہے کہ مرد کی بزرگی اور مرتبہ کو قائم و بحال رکھا جائے۔ ایک اور شاعر نے میرے دریافت کرنے پر مجھے لکھا کہ "ایشیائی لوگوں کا حیا کی نسبت کچھ اور ہی خیال ہے۔ کوئی شاعر کسی ایسے مضمون پر خواہ وہ نیچرل ہی کیوں نہ ہو اس قسم کا کوئی مضمون نہیں لکھ سکتا جس سے لوگوں کے حیا کے خیال کو صدمہ پہنچے۔ اس لئے شعرا عام طور پر دوسری قسم کے مضامین پر نظمیں لکھنے کے لئے مجبور ہیں۔ رفتہ رفتہ عورت کو خاص محبت کی پتلی یا محبت کی دیوی خیال کر لیا گیا۔" آخر میں وہ شاعر جو اپنے ملک کے لوگوں کو دوسروں کی نسبت اچھی طرح جانتا ہے لکھتا ہے کہ "یہ روایت بالکل فطرت اور نیچر کے موافق ہے کیونکہ

پنجابی عورت پنجابی مرد سے زیادہ محبت کرنے والی ہوتی ہے۔"

ڈاکٹر اشرف مجھ سے کہتے ہیں کہ "اس قسم کی نظمیں [illegible] آجکل ترکی زبان میں بھی ہے لیکن ان کا [illegible] ہے کہ اس روایت کی مطابقت [illegible] زبانوں میں مل سکتی ہے۔ لیکن اس کی بنا اس سبب پر دریافت کرنا بہت ہی [illegible] پر منحصر ہے۔ اور پھر بھی یقینی نہیں ہو سکتا کہ کوئی [illegible] افغانستان [illegible]

خیر جو کچھ بھی اس عجیب روایت کی وجہ ہو [illegible] کہ پنجابی تشبیب [illegible] پر اس کی شہرت کی شرط [illegible] کرنے والا اور مہلک [illegible] افغانی شاعر [illegible] رحمٰن کی غزلوں کی [illegible] "Chants Populaires des Afghans" [illegible] کی ایک [illegible] نہیں ہے۔ بات اصل میں یہ ہے کہ افغانی شاعر [illegible] عورت کی سی سب باتیں (خیالات جذبات وغیرہ) [illegible] نکتہ خیال کا اظہار کرتا ہے جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ تمام ذاتی اور اصلی [illegible] ہو جاتے ہیں۔ اور ان کے بجائے غیر فطری [illegible] شاعری نصرت سے ہوا [illegible] بعض عشقیہ [illegible] (شافی ہیں"

شاعر ہونے کی حیثیت سے [illegible] عرب کے شاعروں کی صف میں شمار نہیں ہوتی۔ برخلاف اس کے ایک [illegible] ہیں جنہوں نے نظم کو اپنے جذبات اور تعلیمات کے ظاہر کرنے کا ذریعہ بنایا اور جنہوں نے زیادہ تر اپنی تعلیم اور اپنے [illegible]

[illegible]

لباس پہنائیں۔ اس لئے میں اب صرف اُنکی تصنیف میں سے ایسے اقتباسات پیش کرونگا جو اُن کے فلسفہ اور اُنکے اس خیال پر کہ دنیا میں انسان کا کیا مقصد اور فرض ہے روشنی ڈالیگا۔ وہ اس بات کو بخوبی سمجھتے ہیں کہ تصوف کا سمجھنا کوئی آسان کام نہیں ہے۔

سپ کا ہر ہک ... سمندر میں — سب پُھل جاوَن تہ ...
پر ... یار تہ نہیں — اینویں مخفی گل ہوندی ہے

ترجمہ: اگر میں حقیقت کو عیاں کردوں تو تمام لوگ ندی جھگڑے ہوکر جیتے ہوئے دوست (خدا) سے ملنے کی خواہش کرینگے۔ وہی مخفی بات ہے۔

ملیا شوہ انسان نہیں دُکھ نہیں — پن شوہ تہ سدا ... نہیں
پر دیکھن والی اکھ نہیں — تاہیں جان پئی دُکھ سہندی ہے
جد میں سبق عشق دا پڑھیا — دریا دیکھے وحدت دا وڑیا
گھمن گھیراں وچ ڈُبیا — شاہ عنایت کیتا پار

ترجمہ: پیارے! ہمارا معشوق ہم سے جدا نہیں ہے۔ ہر دم صرف اسیکا خیال ہے لیکن سچائی کو دیکھنے کیلئے کوئی آنکھ نہیں ہے۔ اسی لئے محبت میں انسان کو تکلیفیں سہنی پڑتی ہیں۔ جب میں نے محبت کا سبق لیا تو میں دریائے وحدت دیکھکر بہت ڈرا۔ میں دریائے محبت میں غرق ہو رہا تھا لیکن میرے پیر و مرشد حضرت عنایت شاہ صاحب نے مجھے پار اُتار دیا۔

حضرت بلھے شاہ دوسرے لوگوں کی طرح اس بات سے ناراض ہوتے ہیں کہ بے وقوف لوگ دنیا میں عیش و عشرت سے زندگی بسر کریں۔ میں خیال سے ...

ﻃﻠﮧ دریائے محبت جس کے ایک کنارے پر سوہنی ... [illegible]

گرداب ایک سندھی استعارہ ہے جس کو سوہنی کے قصے سے ... [illegible]

ہو کر فرماتے ہیں:۔

پاڑھیاں تے میں نساناں ہاں — پڑھیاں تے میں نساناں ہاں
کوئی منصف ہووے دارے — تاں میں دسّاں ہاں
پاڑھیاں تے میں نساناں ہاں

عالم فاضل میرے بھائی — پاڑھیاں میری عقل گوائی
عشق دے ہارے — تاں میں دسناں ہاں
پاڑھیاں تے میں نساناں ہاں

بُلھا ایہناں توں بھی آگے آیا — دادا گود کھلایا

ترجمہ:- میں اُن لوگوں کی صورت سے بھاگتا ہوں جو جاہل ہیں (لفظی جنہوں نے کتاب علم کا چوتھائی حصہ پڑھا ہے) اگر یہاں کوئی منصف مزاج اور عقلمند آدمی ہو تو میں اُسے بتاؤں۔ عالم لوگ میرے بھائی ہیں لیکن جو کتب علم سے بہت ہی کم بہرہ ور ہیں۔ وہ تو مجھے پاگل کئے دیتے ہیں۔ اگر کوئی عاشق آئے۔ تو میں اُسے بتاؤں۔ بُلھا! تم دوسروں کی نسبت علم میں بہت آگے نکل گئے ہو۔ تم نے اپنے دادا کو اپنی گود میں کھلایا ہے[1]۔

ایک کافی جو مادے کی یکسانیت اور یگانگت (وحدت) کے متعلق ہے قابل ہے کہ یہاں لکھی جائے۔

ماٹی قدم کریندی یار۔
ماٹی جوڑا ماٹی گھوڑا — ماٹی کا اسوار
ماٹی ماٹی نوں دوڑائے — ماٹی کا کھڑکار
ماٹی قدم کریندی یار

[1] تم علم روحانی میں اُن کے دادا ان کے مقابلے میں محض ایک طفل شیر خوار ہیں۔

ماٹی ماٹی نوں مارن لگی   ماٹی دے ہتھیار
جس ماٹی پر بہتی ماٹی   تس ماٹی ہنکار

ماٹی قدم کریندی یار

ماٹی باغ بغیچہ ماٹی   ماٹی دی گلزار
ماٹی ماٹی نوں ویکھن آئی   ماٹی دی بہار

ماٹی قدم کریندی یار

ہس کھیڈ پھر ماٹی ہوئی   ماٹی پاؤں پسار
بلھا جاں ایہہ بجھارت بجھیں   لاہ سروں بھوئیں مار

ماٹی قدم کریندی یار

ترجمہ:- ہر متحرک چیز خاک کی بنی ہوئی ہے۔ سوار کا لباس مٹی سے مرکب ہے۔ اور اسکا گھوڑا بھی مٹی کا بنا ہوا ہے۔ خود سوار بھی خاک سے بنا ہے۔ خاک، خاک کو دوڑاتی ہے آواز بھی خاک کی بنی ہوئی ہے۔ مٹی مٹی سے جنگ وجدل کرتی ہے سارے ہتھیار بھی خاک کے ہیں۔ زمین جو پر خاک بنی ہے مٹی سے مرکب ہے۔ باغ و گلزار مٹی کے ہیں۔ پھول بھی مٹی کے ہیں۔ خاک سے خاک ملنے آتی ہے۔ سوتی ہوئی چیزیں (مردہ انسان و وحوش)، بھی مٹی کے ہیں۔ آخری شعر میں بلھے شاہ مشرقی قاعدہ کے موافق اپنے آپ کو مخاطب کر کے فرماتے ہیں۔ "بلھا جب تم اس معمہ کو حل کر لو تو تمہیں چاہیے کہ غرور و کبر کے لباس، کو اتار کر پھینک دو۔"

بنسی اچرج کاہن بجائی

بنسی والیا چاکا رانجھا   تیرا سر سب نال ہے سانجھا
تیریاں موجاں ساڈا مانجھا   ساڈے سرتیں آپ ہلائے

بنسی اچرج کاہن بجائی

بنسی سب کوئی سنے سناوے　　ارتھ اس دا کوئی ورلا پاوے
جو کوئی اکھر دی سر پاوے　　سو اس بنسی دا سودائی
بنسی اچرج کاہن بجائی

بنسی نے پنج ست تارے　　آپ اپنی سر بھرے سارے
اک سر سب دے وچ دم مارے　　ساڈی اس نے ہوش بھلائی
بنسی اچرج کاہن بجائی

اس بنسی دا لمّا لیکھا　　جس نے ڈھونڈیا تس نے دیکھا
ساری اس بنسی دی ریکھا　　اس وچ وجود وحدت اٹھائی
بنسی اچرج کاہن بجائی

بُلھا پچھ پئے تکرار　　بوہے آن کھلوتے یار
رکھیں کلمے نال بیوپار　　تیری حضرت بھرے گواہی
بنسی اچرج کاہن بجائی

ترجمہ: "تم نے عجیب طرح سے بانسری بجائی ہے اے بانسری بجانے والے کانھا! بانسری کے کئی سوراخ ہیں۔ اور ہر ایک کا سُر علیحدہ ہے لیکن تمہارا گیت سب سروں کے موافق رہتا ہے۔ ہر شخص بانسری بجاتا ہے۔ اور اس کی آواز سنتا ہے لیکن بہت کم لوگ ایسے ہیں جو گیت کے معانی کو سمجھ سکتے ہوں۔ اس بانسری کے پانچ سات سوراخ ہیں۔ وہ سب پانچ سات سُر آپ بھرتے ہیں لیکن باوجود اس کے ان سب میں ایک سُر ایسا ہے جس نے مجھے بیہوش کر دیا ہے۔ یہ معمہ بہت ہی غور طلب ہے لیکن جو لوگ سب پر غور کرتے ہیں وہ اس کا جواب پا ہی لیتے ہیں۔ اسی بانسری کی تمام رونق ہے اسی سے صفات ظاہر ہوتے ہیں۔ بُلھیا! ہمیشہ ذکر الٰہی رکھو۔ دوست دروازے پر کھڑا ہوا ہے۔ کلمہ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی تکرار کرتے رہو پھر امید کی جا سکتی ہے کہ

رسول اللہ صلعم تمہاری شفاعت کریں گے۔"

حضرت شاعر صاحب یہ نہیں کہتے کہ انسانی روح کا وصل خدائی روح سے ایک ایسی چیز ہے جسے ہر شخص حاصل کر سکتا ہو۔ بلکہ برخلاف اس کے فرماتے ہیں کہ "میں ہیر (عاشق) ہوں۔ مگر اب میں رانجھا (معشوق) بن گیا ہوں۔ یہ ہر کس و ناکس [illegible] سمجھ نہیں آ سکتا۔"

[illegible] ساتھ ملے جلے شاہ ہیر اور رانجھا کے ناموں کو جو پنجاب کے ایک مشہور تاریخی قصے کے عاشق و معشوق ہیں، خدا اور انسان کے تعلقات [illegible] کے لئے استعمال کرتے ہیں۔ کوئی شخص یہ کہنے میں کہ ہیر [illegible] کی ایک [illegible] نشان [illegible] آسانی سے [illegible] یہ کوئی آسان امر نہیں ہے کہ ایک مشرقی شاعر خدا [illegible] معشوق [illegible] مشرقی شاعر [illegible] رکھتے ہیں [illegible] تب وہ کہتے ہیں کہ [illegible] مشرقی [illegible] مشکل [illegible] مسیح [illegible] بالکل [illegible] ہستی [illegible]

[illegible] بہت دلچسپ اور قابل خصوصیت بات جو [illegible] تصوف [illegible] روشنی ہے جو شاعر صاحب تصوف کے اخلاقی پہلو پر ڈالتے ہیں۔ شاعر صاحب دو طرح سے اس معاملہ پر بحث کرتے ہیں۔ ایک صرف اخلاقی پہلو پر جب کہ وہ اپنے طریقہ "ہمہ اوست" کو بدلائل ثابت کرنے کے بغیر سچائی کی دعوت دیتے ہیں۔ اور دوسرے فلسفیانہ پہلو پر جب کہ وہ بے باکانہ مسئلہ "ہمہ اوست" کے نتائج تجھ کو دیتے ہیں، اور ان خطرناک نتائج کے ڈر سے جو اس مسئلہ وحدۃ الوجود

سے پیدا ہوتے ہیں، بہم جاتے ہیں،

جس جس دامان کریں توں سو تیجے سنگ نہ جاہان
خویش شہر نوں دیکھ ہمیشہ سارا جگ جس سماں

رین گئی لٹکے سب تارے — اب تو جاگ سوداگر پیارے
اواگون سرائیں ڈیرے — تیں اجے نہ سنیوں کوچ نقارے
توں جس ونج جوبن متی سی — توں نال حورانڈے رتی سی
ہو غافل دنیا دتی سی — ہن ہاہیں تیری بہار نہیں
توں کھا کھا کے رجی سی — تیں کولوں کون تیار نہیں
اج کل تیرا مکناوندا ہے — تن دُھہیاں نال بہاوا ہے
بلّھا شوہ بن کوئی نا ہیں — ایتھے اوتھے دوہیں سہائیں

ترجمہ۔ تمہارے اعمال کے مطابق تمہیں معاوضہ دیا جائے گا۔ شہر محبت کا یہی دستور ہے۔ تم اس دنیا میں دوزخ کی سی تکالیف برداشت کرتے ہو لیکن آنیوالی زندگی میں تمہیں خوشی کا پھول ملیگا۔ حسن جس کا تم اتنا غرور کرتے ہو کیا چیز ہے؟ یہ قبر میں تمہارے ساتھ نہیں جائیگا۔ ہر وقت شہر خموشاں کا خیال رکھو جہاں تم کو بالضرور جانا ہے۔ "اے مسافر! رات گذر گئی۔ ستارے غائب ہو گئے ہیں اب اٹھ بیٹھو۔ انسان محض سرائے میں رہنے والا ہے۔ کیا تمہیں نقارے کی آواز نہیں سنائی دیتی؟ تمہیں اس دنیا میں ہمیشہ کیلئے نہیں رہنا ہے۔ اس لئے مست سو۔ جب تم جوانی کے غرور میں رہتے تھے تو تمہیں خوبصورت لوگوں کے ساتھ ملنے سے خوشی ہوتی تھی۔ لیکن اب تمہارے بازوؤں میں کچھ زور نہیں رہا ہے۔ تم نے اس دنیا میں کھانا کھایا ہے۔ اور ضیافتیں اڑائی ہیں۔ لیکن اب تمہیں یہی باتیں خواب و خیال معلوم ہوتی ہیں۔ جنگل میں تمہیں کوچ کرنا ہے اور اپنے پیارے سے ملنا ہے۔ بلھا! دونوں

جہانوں میں بغیر خدا کے اور کوئی ہے"۔

یہ جملے جو ہر ایک واعظ کی کتاب میں مل سکتے ہیں اور جنھیں بلھے شاہ نے نظم میں بیان کیا ہے انھیں ایک سچا واعظ اور اتالیق کی حیثیت سے پیش کرتے ہیں۔

اب ہمیں اُن کا دوسرا پہلو دکھانا ہے جو حیثیت ایک ایسے فلسفی کے ہے جو بیباکانہ "مسئلہ ہمہ اوست" کو بدلائل منطق نتیجہ پر پہنچا دیتا ہے۔ شاعر صاحب حضرت ایوبؑ کے بیباکانہ لہجہ میں خداتعالیٰ کو اسطرح سے مخاطب کرتے ہیں:-

موسےؑ تے فرعون بنا کے دو ہو کے کیوں لڑوا؟
منصور پیارے کہیا انا الحق کہہ کہایا کیں

ترجمہ "اے خدا! تو نے فرعون کو حضرت موسیٰؑ پر مقرر کیا پھر اسطرح سے تو خود کیوں دو ہو کر اپنے آپ سے لڑتا ہے؟ اگر منصور[1] نے اپنے آپکو خدا کہا تو کس نے اس سے یہ بات کہلوائی؟"

لیکن پھر جلدی ہی اسبات کو محسوس کر لیتے ہیں کہ یہ مسئلہ قطعی طور پر بھلائی اور برائی۔ اور حق و باطل کے فرق کو دور ہٹا دیتا ہے۔ اور اس نتیجہ کو دیکھکر جو وہ بدلائل پیدا کرتے ہیں سہم سے جاتے ہیں۔ فرماتے ہیں:-

ایسی نازک بات کیوں کہندا نا کہہ سکدا ناں جروا

ترجمہ "میں نے ایسی نازک بات کیوں کہہ دی۔ مجھے یہ ہرگز نہیں کہنی چاہیئے تھی لیکن میں اس کے ظاہر کرنے سے باز بھی نہیں رہ سکتا تھا"۔

حضرت شاہ صاحب کو یقین ہے کہ گناہ کی ابتدا ایک خوفناک معمہ ہے اور وہ اپنے ریمارک کو اس فقرہ پر ختم کرتے ہیں کہ "خدا کی محبت ایک بھیڑیا ہے جو انسان کا لہو پیتا اور اس کا گوشت کھاتا ہے"۔

---

[1] منصور ایک زبردست صوفی تھے۔ جو مسئلہ ہمہ اوست کے قائل تھے۔ انہوں نے اپنے آپ کو خدا سے مناسبت دی اور اسپر وہ علمائے شریعت کی جیوری کے سامنے پیش ہوئے۔ اور آخر کار خلیفہ بغداد کے حکم سے پھانسی پر لٹکائے گئے۔ ان کا مزار بغداد میں ہے۔

اس طرح سے بلھے شاہ جو پنجاب کے ایک سیاح شاعر اور واعظ ہیں سچائی کی تلاش کے انجام پر اپنے آپ کو بالکل فرانس کے ایک مشہور فلسفی پاسکل کی حالت میں دیکھتے ہیں جو غور و فکر کرنے کے بعد اپنے نتائج پر حیران و پریشان تھا، اور جو آخر کار اسی پریشان حالت میں چلا اٹھا اور کہا "میرے خدا میں کب تک اسی حالت میں رہوں گا۔ جو میرے لئے ایک قسم کا عذاب ہے۔ اور عقل کے لئے سوچ و بچار کا مشغلہ ہے"

اس طور سے مشرقی اور مغربی سچائی کی تلاش میں تاریکی میں ہاتھ پاؤں مار رہے ہیں۔ اور زندگی کے نہ حل ہونے والے عقدوں کے سلجھانے میں پریشان ہیں۔ لیکن دونوں اپنے سفر زندگی کے اختتام پر خدائے جل و علا کے سامنے جھک جاتے ہیں۔

تمت

۱؎ یہ شخص بمقام کلرمونٹ ۱۶۲۳ء میں پیدا ہوا تھا۔ یہ زبردست فلاسفر اور مشہور فرانسیسی اہل قلم ہے۔ ریاضی سے اس کو قدرتاً مناسبت تھی۔ اس کے والد نے اس خیال سے کہ کہیں اسکی توجہ دوسرے کسی مضمون کی طرف مصروف نہ ہو جائے اس کو علم اقلیدس سیکھنے سے منع کر دیا تھا لیکن اسکی طبیعت نے خود اقلیدس کے پہلے متعدد کئی شکلوں کو دریافت کیا۔ اس پر اس کو اس علم کے سیکھنے کی اجازت دیدی گئی چنانچہ وہ علم ریاضی میں کئی کتابوں کا مصنف ہے۔ تقریباً بیس بائیس برس کی عمر میں اسے مذہب اور علم معرفت کا شوق پیدا ہوا۔ اور یکایک تمام تعلقات سے علیحدگی اختیار کر لی اور اسوقت سے تصوف کے مطالعہ اور مناظرہ میں مشغول ہو گیا۔ وہ ہمیشہ اس بات کی کوشش کرتا رہا کہ میرے ہم جنسوں کی دنیاوی اور روحانی ترقی ہو۔ آخر ۱۶۵۴ء میں وہ پورٹ رائل چلا گیا اور اپنی زندگی کے باقی دن وہیں بسر کئے۔ ۱۶۶۲ء میں اس کا انتقال ہو گیا اس کی ایک کتاب (Pensees) جو تصوف کے متعلق ہے انگلستان میں بہت شہرت رکھتی ہے۔ مترجم

برنی۔ بی۔ اے

الہ آبادی کے کلام معجز نظام کا مجموعہ ہے۔ اس میں گل و بلبل کا رونا نہیں ہے بلکہ خودداری۔ ہمت۔ ہمدردی اور عبرت پیدا کرنے کے تازیانہ ہے قیمت غیر مجلد عہ

دریائے لطافت فصیح البیان اور ہندوستان کے مشہور اور نامور شاعر میر انشاء اللہ خاں مرحوم کی بے مثل کتاب ہے۔ یہ پہلی کتاب ہے جو اردو زبان کی تحقیق و محاورات والفاظ وغیرہ پر نہایت خوبی سے لکھی گئی ہے۔ قیمت عہ

کلید اخبار بینی یا اخباری لغات اسمیں انگریزی زبان کے وہ تمام لغت محاورے اور اصطلاحیں وغیرہ درج ہیں جو اردو اخبارات میں آتے اور مستعمل ہوتے ہیں اور انگریزی نہ جاننے والے حضرات انکو سمجھنے سے قاصر رہتے ہیں۔ اس کتاب میں ان کی تشریح کردی گئی ہے اسکا مطالعہ کیے بغیر اخبار بینی کا لطف نہیں ہے۔ قیمت صرف ۱۲ر

ماکولات و مشروبات اس میں خوراک کے متعلق ہر مسئلہ پر بحث کے علاوہ اجزا مقدار۔ فوائد و نقائص اور ہر کھانیکی چیز اور ہضم طعام وغیرہ کا مفصل ذکر ہے اسکا ہر گھر میں رکھنا لازمی ہے قیمت صرف للعہ ر

نپولین اعظم اس میں نپولین اعظم کے کارنامے اور اس کی زندگی کے تمام واقعات بلا تعصب طرفداری اور راست بازی سے نہایت خوش اسلوبی سے بیان کیے گئے ہیں۔ نپولین دنیا کا ایک بڑا نامور فاتح اور اولوالعزم سپہ سالار گزرا ہے۔ دو ہزار تین سو صفحے ہیں اور پانچ جلدیں ہیں۔ قیمت غیر مجلد عہ ر اور قیمت مجلد کامل عہ ر

پیشوایان ہند ہندو مذہب کی تعلیم عقائد اور سوانح عمری سری کرشن جی مہاراج اور گوتم کی زندگی کے حالات کا نہایت حیرت انگیز ذکر کیا گیا ہے

۲۰۰ صفحے کی ضخامت ہے قیمت صرف عہ۔

مشاہیر یونان و روما اس میں قدیم یونانی اور رومی مشاہیر کے حالات زندگی درج ہیں نیز ایثار حب وطن جوانمردی اولوالعزمی کے ایسے کارنامے ہیں جو یقیناً دلوں کو ہلا دیں گے۔ دنیا میں آج تک اس پایہ کی کوئی کتاب نہیں لکھی گئی۔ ہماری قوم و ملک کے ہندو و مسلمان نوجوانوں کے لئے بیحد مفید ہے ہر دو حصوں مجلد کی قیمت صہ غیر مجلد للعہ۔

فلسفۂ اجتماع اسکا موضوع لفظ اجتماعی یعنی جماعت کے اعمال و قوائے دماغی کی تحلیل و تشریح ہے نہایت عالمانہ پیرائے میں لکھی گئی ہے نوعیت کی بہترین کتاب ہے۔ قیمت صرف صہ ر

مقدمات الطبیعات انگلستان کے مشہور سائنس دان و حکیم ہکسلی کی کتاب کا ترجمہ ہے اس میں مظاہر فطرت کا بیان عالمانہ انداز اور جامعیت کے ساتھ کیا گیا ہے یہ کتاب بیشک قابل مطالعہ ہے۔ قیمت عہ۔

مبادی سائنس علم سائنس پر نہایت خوبی کے ساتھ سلیس اردو زبان میں لکھی گئی ہے اور آخر میں اصطلاحات کی فرہنگ بھی شامل کر دی گئی ہے۔ سائنس کے شائقین کے لئے بہت کار آمد ہے۔ قیمت عہ ر

رموز اعظم و اکمل یہ کتاب فن طب کا لاثانی مجموعہ ہے سر لیکر پاؤں تک کے کل امراض اور اُن کے استعمال کے لئے ادویہ کا طریقہ تشخیص اور معالجہ کا بیان ہے بغیر استاد کے ہر مرض کا علاج ہر شخص کر سکتا ہے۔ قیمت صرف چھ روپے ہے ر

یہ کتابیں عبدالقدیر دارالاخوان تاجران کتب نمبر ۳۹ چیتہ لال میاں دہلی سے طلب فرمائیں